آرامگاہِ فردوسی

طوس یا توس ــ سرزمین ایران کا وہ مردم خیز قطعۂ ارض ہے جس نے قدیم زمانے سے ہی متعدد مفکروں، شاعروں، سیاست دانوں اور علمائے دین کو جنم دیا ہے اور انہیں اپنی گود میں پرورش کی ہے۔ آسمان ادب پر چمکنے والے ان تابناک ستاروں میں سے قوام الدین حسن طوسی، ابونصر علی بن احمد اسدی طوسی، ابوالقاسم فردوسی طوسی، نظام الملک طوسی، حضرت امام محمد غزالی طوسی قابل ذکر ہیں ــ آخر الذکر تین شخصیتوں کی عظمت کا اعتراف کسی شاعر نے یوں کیا ہے ؎

ہر وزیر و مفتی و شاعر کہ او طوسی بود ۔۔۔ کی نظام الملک و غزالی و فردوسی بود

طوس ایران کے قدیم شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ریاست خراسان کے موجودہ دارالخلافہ مشہد کے شمال مغرب میں کوئی تیس کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ چہار مقالہ کے مصنف نظامی عروضی سمرقندی کے مطابق ابوالقاسم فردوسی اسی شہر طوس کے ایک گاؤں باژ میں پیدا ہوئے جو کہ اس زمانے میں طبران کا ایک حصہ شمار کیا جاتا تھا۔ پرانے زمانے میں طوس ایک آباد شہر تھا جو غالباً منگولوں کے حملے کے نتیجے میں خراسان کے دوسرے شہروں کی طرح تباہ ہو کر ویران ہوا۔ امیر تیمور کے زمانے میں جب کہ وہ خود سمرقند میں فتوحات

• ڈاکٹر محمد صدیق نیاز مند ـ صدر شعبۂ فارسی

اور جنگ وجدال میں معروف تھا، طوس میں بغاوت ہوئی۔ اس بغاوت کو کچلنے کے لئے امیر تیمور نے اپنے فرزند میرانشاہ کی سرکردگی میں لشکر روانہ کی۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ ان کے سر کاٹ کر ان کے مینار بنوایا۔ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجائی گئی اس زمانے میں طوس بھی تباہ و برباد ہوا اور وہ باشندے جو ان آفات تیموریہ سے بچ کر نکلے انہوں نے مہاجرت اختیار کر لی اور طوس کے نواح میں نئے آباد ہو چکے شہر مشہد میں پناہ لی۔

طوس کے ایک وسیع و عریض میدانی علاقے میں ایک نیم منہدم دیوار کے آثار آج بھی آثار الصنادید کے طور پر نمودار ہیں۔ اس دیوار سے شہر طوس کی قدیم اہمیت عظمت اور وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ دیوار فردوسی کے مقبرے کے قریب سے جا گزرتی ہے۔ خراسانی لہجے میں اسے دیفال کہتے ہیں۔ یہاں کے مقامی لوگوں کی روایت کے مطابق یہ دیفال محمود غزنوی نے بنوائی لیکن اگر چہار مقالہ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ دیوار شہر طوس کے ارد گرد فردوسی کی وفات سے قبل سے موجود تھی کیونکہ اپنے زمانے کا یہ مفلس الحال شاعر اور "ایران کا ہومر" شہر طوس کے باہر اپنے ہی باغ میں دفنایا گیا تھا اور آج تک بھی وہیں مدفون ہے۔

چنانچہ چہار مقالہ میں درج ہے کہ جب محمود غزنوی نے فردوسی کو شاہنامہ کے صلے میں زر کثیر ایک اونٹ پر لاد کر روانہ کیا اور اونٹ طوس کے دروازے سے داخل ہو رہا تھا کہ دوسری جانب فردوسی کا جنازہ دروازے سے باہر لایا جا رہا تھا طبران میں اس وقت ایک بڑا متعصب شخص تھا جس نے فردوسی کی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں اس الزام کے تحت دفنانے نہیں دیا کہ وہ شیعہ

تھے۔ باوجود اس کے کہ لوگوں نے اسے کافی سمجھایا لیکن اس نے ایک نہ مانی۔ شہر کے دروازے کے اندر ایک باغ تھا جو دراصل فردوسی کی ہی ملکیت تھی فردوسی کو اسی باغ میں سپردِ خاک کیا گیا چنانچہ چہار مقالہ کا مصنف جب سنہ ۵۱۰ھ ہجری میں فردوسی کے مقبرے کی زیارت کر چکا تو فردوسی کی آرامگاہ اس وقت وہیں پر موجود تھی۔

بعض مؤرخین کے مطابق فردوسی کی قبر پر اٹھارہویں صدی میں ایک چھوٹا سا گنبد تھا جو کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ خستہ ہو کر منہدم ہو چکا تھا البتہ ۱۸۹۰ء میں ایک معروف مستشرق پروفیسر ژوکوفسکی کی نشاندہی پر فردوسی کی قبر کی مرمت ہوئی۔ البتہ ایران کے مطلق العنان بادشاہ رضا شاہ پہلوی نے زرِ کثیر خرچ کر کے اس مقبرے کو سنہ ۱۳۵۳ ہجری قمری میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ از سرِ نو تعمیر کرایا۔ فردوسی کے مقبرے پر تاریخ اختتامِ مقبرہ سے متعلق سفید رنگ کے سنگِ مرمر کے بڑے تختوں پر ایک خوبصورت کتبہ بخط حسن زرین خط حجازی شعبان پور منوچہری کندہ ہے جس پر ایران کے ایک معاصر عالم و فاضل اور شاعر جلال الدین ہمائی سے متخلص بہ "سنا" کے لکھے چالیس اشعار کندہ ہیں۔ ان اشعار میں سے ابتدائی دو شعر اور آخری شعر ملاحظہ ہوں

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

آرامگاہ فردوسی

ای صبا ای پیکِ مشتاقان پیامی بر ز من
سوی طوس آن مرزمینِ نامداران سے زمن

برورشگاہِ امامی چون سے محمد زین دین
زادگاہِ خواجہ بی ہمچون سے قوام الدین حسن

وز ہمائی سنا این چامہ ماند یادگار
زافتخار نام فردوسی سے خداوندِ سخن

اس کے ساتھ پھر تاریخ اور نام یوں درج ہے۔

فروردین ماہ ۱۳۴۷ شمسی سے محرم الحرام ۱۳۸۸ ہجری قمری۔

جلال الدین ہمائی "سنا"

ایران میں فردوسی کی شخصیت کئی لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے۔ ایرانی لوگ اسکے شاہنامہ کو ایرانی نسل کی عظمت کا ضامن اور قابل فخر ملی سرمایہ تصور کرتے ہیں جو حقیقی معنوں میں قدیم ایران کے سمجھنے کا ایک بہترین وسیلہ ہے۔ یہ یادگار کارنامہ فردوسی نے عالم انسانیت کو بطور ارمغان پیش کیا۔ اس کے عقیدے کے مطابق عمارتیں، شاہی محلات اور کاخ سب کے سب مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ تباہ و برباد ہوتے رہیں گے۔ لیکن شاہنامہ میں بقول فردوسی کے کوئی بھی خلل واقع نہیں ہو سکتا۔ ؎

پی افگندم از نظم کاخی بلند
کہ از باد و باران نیابد گزند

ایرانی قوم پر فردوسی کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ایران باستان کو حادثات زمانہ کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچالیا۔ ایرانی بادشاہوں، انکے درباریوں اور انکے جنگی کارناموں کو حیاتِ جاویدان بخشی۔ اگر فردوسی نے ایران کے تاریخی واقعات کو شاہنامہ میں محفوظ نہ کیا ہوتا تو امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ واقعات

یوں ہی صفحۂ دہر سے مٹ جاتے۔ فردوسی نے تاریخ ایران کے احیاء و بقا کے لئے جو کوششیں کیں ان کا اُسے خود بھی شدت سے احساس تھا چنانچہ ایران کی قدیم شخصیتوں کے نام گنوانے کے بعد وہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ ؎

چو عیسیٰ من این مردگان را تمام سراسر زندہ کردم بنام

فردوسی کی ان خدمات کے پیش نظر ایرانی لوگ انہیں بے حد عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انہیں اپنا قومی یا ملی شاعر تصور کرتے ہیں۔

کوئی تریسٹھ[63] سال پہلے تعمیر ہو چکا فردوسی کا مقبرہ خوبصورت رنگ کے سنگ مرمر سے بنا ہے۔ یہ مقبرہ جدید طرز تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اسکی تعمیر میں ایران کے روایتی فن معماری کا کوئی عمل دخل نہیں بالفاظ دیگر اس میں ایرانیوں کے ذوق جمیل کے مطابق گول گنبد یا در و دیوار وں پر گل کاری یا نقش و نگار نہیں ملتے بلکہ یہ مقبرہ سنگ مرمر کی ایک مربع عمارت پر مشتمل ہے جس کے چاروں اطراف میں "خدائے سخن فردوسی" کے شاہنامہ کے اشعار کندہ ہیں۔ تاریخی اہمیت کا حامل فردوسی کا مقبرہ ایک وسیع و عریض باغ کے وسط میں واقع ہے۔ باغ میں طرح طرح کے پھولوں کے کھلنے، چنار اور خاص طور پر بید مجنوں Weeping Willow کے درختوں سے آرامگاہ فردوسی کی رونق اور زیبائی دوبالا ہو جاتی ہے۔ آرامگاہ فردوسی کے مغرب میں شاہراہ واقع ہے آرامگاہ فردوسی تک جانے کے لئے شاہراہ پر درمیانی بلندی کے دو ستون کھڑے ہیں جن میں لوہے کا ایک بڑا پھاٹک نصب ہے۔ بیرونی دروازے سے آرامگاہ فردوسی تک ایک پگڈنڈی ہے جس کے دونوں اطراف میں رنگ برنگ کے پھول لگے ہیں۔ مقبرے کے

Scanned with CamScanner

مشرق میں واقع ایک تالاب ہے جس کا آبِ زلال فواروں کی صورت میں فضا میں رقص کرتا ہوا دوبارہ اسی تالاب میں جا گرتا ہے۔ فردوسی کی آرامگاہ کے اوپر جو عمارت تعمیر ہو چکی ہے اس پر ہر جگہ شاہنامہ کے اشعار کندہ ہیں۔

فردوسی کی آرامگاہ سے تقریباً ایک کلومیٹر دور شاہراہ کے بائیں کنارے پر ایک نامتناسب تاریخی عمارت واقع ہے جسے "ہارون دہ" کہتے ہیں۔ اس علاقے کے باشندے اسکو "زندان ہارون" کے نام سے جانتے ہیں۔ ان کے خیال میں خلیفہ ہارون رشید نے امام ہشتم حضرت امام موسیٰ رضاؑ کو اسی عمارت میں نظر بند کر رکھا تھا۔ اس زندان کے احاطے میں بطرف غرب ایک بڑا مستطیل پتھر ہے جو کہ رضا شاہ پہلوی کے زمانے میں حضرت امام محمد غزالیؒ کی یاد میں وہاں نصب کیا گیا ہے۔ اس پتھر پر درج ذیل کتبہ کندہ ہے

بیاد بود امام محمد غزالیؒ

زادروز
۴۵۰ ہجری ۴۳۷ خورشیدی ۱۰۵۸ امیلادی
درگذشت
۵۰۵ ہجری ۴۹۰ خورشیدی ۱۱۱۱ امیلادی

فردوسی کا مقبرہ دراصل ایک بڑے ہال میں واقع ہے۔ اس ہال میں داخل ہونے کے لئے شمال کی جانب جدید طرز کا ایک شیشے کا دروازہ نصب ہے۔ دروازے تک پہنچنے کے لئے چند زینے نیچے کی طرف جاتے ہیں۔ ہال میں داخل ہوتے ہی ایک ہیجان اور رقعت طاری ہو جاتی ہے کیونکہ اس ہال میں نصب متعلق مجسموں سے تاریخ ایران باستان کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے۔ اس ہال کے وسط میں فردوسی کی قبر ہے۔ یہ قبر مستطیل سفید سنگ مرمر کی ہے جس کے اوپر

درج مندرجہ ذیل کتبہ ہے

بنام خداوند جان و خرد

این مکانِ فرخندہ آرامگاہ استاد

گویندگان فارسی زبان و سرایندۂ

داستانہای ملی ایران حکیم ابوالقاسم فردوسی

طوسی است کہ سخنانِ او زندہ کنندۂ کشور

ایران و مزار او در دلِ مردم این سرزمین

جاویدان است۔

تاریخ تولد ۳۲۳ ہجری قمری

تاریخ وفات ۴۱۱ ہجری قمری

تاریخ بنای آرامگاہ ۱۳۵۳ ہجری قمری

آرامگاہ فردوسی کے جس ہال میں فردوسی ابدی نیند سوئے ہیں اسکی دیواروں کے ساتھ جو سنگ مرمر کے بڑے بڑے مجسمے نصب ہیں ان مجسموں کو دیکھکر ایران کے اساطیری دور سے لیکر فردوسی کے زمانے تک تاریخِ ایران کے اہم واقعات کی تصویر آنکھوں کے سامنے ڈھل جاتی ہے۔ ان مجسموں سے شاہنامہ فردوسی کے ہیرو "رستم" کے بہادری کے کارناموں اور جنگوں کی بھی عکاسی ہوتی ہے۔ ان مجسموں میں سے بعض اہم مجسموں کی تفصیل یوں ہے:۔

۔ زال در پناہ سیمرغ

۔ جنگِ زال با شیر

۔ بکمند گرفتنِ رستم رخش را

۔ جنگ رستم با اژدہا و کشتہ شدن اژدھا

۔ بکمند افتادنِ زن جادوگر بدستِ رستم

۔ جنگ رستم با دیوِ سفید

۔ رفتن رستم بہ نزدِ شاہ مازندران

۔ جنگ رستم با پیل تن مازندران

۔ چارہ جوئی رستم از سیمرغ برای شکستِ اسفندیار

۔ آوردنِ رستم تیر دو شاخہ را از جنگل

۔ جنگ رستم با اسفندیار و پیروزی رستم

۔ انقلاب کاوہ آہنگر علیہ ضحاکِ ستمکار

۔ دربارِ انوشیروانِ عادل۔

ان مجسموں پر طائرانہ نظر ڈال کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مجسمے نہیں بلکہ جیتے جاگتے انسانی پیکر ہیں جو مختلف جنگوں یا کارناموں کے انجام دینے میں محو ہیں۔ ان مجسموں سے شاہنامہ میں درج مختلف جنگوں کے مناظر آنکھوں کے سامنے منعکس ہو جاتے ہیں۔ ان مجسموں کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ یہ گویا متحرک اور جیتے جاگتے نظر آتے ہیں۔ فن مجسمہ سازی کے اعلیٰ ترین نمونے ہونے کے علاوہ یہ مجسمے شاہنامۂ فردوسی کے سمجھنے میں بڑے کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ مجسموں میں پہلوانوں کو تیر و کمان، گرز و برچھے ہاتھوں میں اٹھائے دکھایا گیا ہے اور بعض مجسمے ایسے بھی ہیں جن سے شاہنامہ فردوسی کے صفحوں کے صفحے درک ہوتے ہیں۔

مقبرۂ فردوسی جس ہال میں واقع ہے اس کے برآمدے میں کچھ

Scanned with CamScanner

زینے ہیں جن کے دونوں طرف بعض مجسمے نصب ہیں ان میں سے کچھ مجسمے یوں ہیں:-

—— پیکار رستم

—— جنگ دلاوران ایران و توران

—— نقش برجستۂ رستم و سہراب۔

زینوں کی دوسری جانب درج ذیل مجسمے نصب ہیں

—— آمدن پادشاہ ہندوستان بدربارِ شاہنشاہ ایران

—— نقش برجستۂ دونفراز اسپہبدان درحضور شاہنشاہِ سامانی

—— نقش برجستۂ داریوش بزرگ

ان مجسموں میں اور خوبیوں کے علاوہ اس اہم خوبی کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیئے کہ ان میں سے ہر ایک مجسمہ اپنا مقامی رنگ، مذہب اور اپنی اصلی ساخت کو برقرار رکھے ہوئے ہے بطور مثال جہاں ہندوستانی بادشاہ کو ایرانی شاہنشاہ کے دربار میں آتے ہوئے دکھایا گیا ہے وہاں اس مجسمے میں دو ہاتھیوں اور دو ہاتھی سے دوڑانے والوں اور پیچھے پیچھے تین غلاموں کو ہاتھوں میں بڑے نیزے اٹھائے دکھایا گیا ہے۔

آرامگاہ فردوسی کے جنوب میں فردوسی کا ایک باوقار اور پرکشش سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا مجسمہ ایک چبوترے پر رکھا ہوا ہے۔ یہ مجسمہ فن مجسمہ سازی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اسی مجسمہ کے سامنے آرامگاہ فردوسی کی دیواروں پر شاہنامہ کے یہ اشعار کندہ ہیں۔

بنام خداوند جان و خرد کزین برتر اندیشہ برنگذرد

خداوند کیہان و گردان سپہر فروزندۂ ماہ و ناہید و مہر

زنام ونشان وگمان برتراست | نگارندۂ برشدہ گوہراست
نیابد بدو نیز اندیشہ راہ | کہ او برتر از نام واز جایگاہ
سخن ہر چہ این گوہران بگذرد | نیابد بدو راہ جان وخرد
خرد گر سخن برگزیند ہمی | ہمان برگزیند کہ بیند ہمی
بہ ہستیش باید کہ خستو شویم | زگفتار بیکار یکسو شویم

ایرانی قوم کے تئیں فردوسی کی خدمات اور اسکی شاعرانہ عظمت کو دیکھتے ہوئے اس شاعر نامدار کی یاد میں خراسان کے دارالخلافہ مشہد میں "دانشگاہ فردوسی" کے نام سے ایک عظیم الشان یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا ہے یہ یونیورسٹی ایران کی ممتاز دانشگاہوں میں شمار ہوتی ہے اور اس یونیورسٹی کا کریسٹ بھی فردوسی کا مقبرہ یعنی "آرامگاہ فردوسی" ہے۔

فردوسی جیسے رفیع المرتبہ شاعر کی یاد میں "دانشگاہ فردوسی" کے اہتمام سے سات روزہ سالانہ جشن "جشنوارۂ طوس" کے نام سے منعقد ہوتا ہے جس میں ملک اور بیرون ملک سے بہت سے برگزیدہ عالموں، قلمکاروں، دانشوروں اور فردوسی شناس حضرات کو مدعو کیا جاتا ہے جہاں پر وہ فردوسی اور اس کے شاہنامہ کے مختلف گوشوں پر اپنے مقالات پیش کرتے ہیں۔ ایران اور دنیا کے دور و دراز ممالک سے آئے ہوئے مندوبین ان مقالات سے محظوظ ہوتے ہیں۔ جشنوارہ طوس میں پیش کئے جانے والے مقالات کتابی صورت میں شائع کئے جاتے ہیں چنانچہ پہلے اجلاس میں پیش کئے گئے سبھی مقالات "مجموعۂ سخنرانیہای نخستین جشن طوس" کے نام سے ۱۳۵۳ شمسی ہجری

میں شایع کئے گئے۔

"جشنوارۂ طوس" میں عام طور پر کتابوں کی نمائش بھی ہوتی ہے۔ اس تقریب پر فردوسی کی زندگی اور اس کے کارناموں پر لکھی جانے والی کتابوں کی رسم افتتاح بھی انجام دی جاتی ہے۔ فردوسی کی مختلف تصاویر اس کی زندگی کے بارے میں لکھے گئے ڈرامے یا فلموں کی نمائش "جشنوارۂ طوس" کا اہم حصہ ہوتی ہیں۔ شاہنامہ خوانی (رجز خوانی) نقالی پہلوانی کے کرتب کو نمایاں طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ "جشنوارہ طوس" کے ایام کے دوران ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ادبی، ثقافتی اور خاص طور پر شاہنامہ کی اہمیت اور ایران قدیم کی عظمت سے متعلق پروگرام نشر کئے جاتے ہیں تاکہ عام لوگوں کو بھی فردوسی کی ان خدمات کا احساس دلایا جاسکے جو اس نے ایرانی قوم کی احیا و بقاء کے لئے انجام دیں

قدیم روایات کے پیش نظر رجز خوان شاہنامہ کے اشعار محفلوں میں سریلی آواز میں پڑھتے ہیں عام طور پر ایران کے ان رجز خوانوں کو شاہنامہ کے اکثر و بیشتر اشعار ازبر ہوتے ہیں۔